فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

”تو پوچھ لیا کرو ان سے جو جانتے ہیں، اگر تم نہیں جانتے“ (ترجمہ شیخ الہند)

فتاویٰ یسئلونک

آپ کے مسائل کا شرعی حل

رئیس دار الافتاء حضرت مولانا مفتی احسان اللہ شائق صاحب

شمارہ 194 | جمعۃ المبارک 21 جمادی الاولیٰ 1444ھ 16 دسمبر 2022ء

اس شمارے میں شامل فتاویٰ جات

- پانی صاف کرنے والی مشین کے ماءِ مستعمل کا حکم
- بچوں کو مارنے کا حکم
- نرم جائے نماز پر سجدے کا حکم
- مقدس اوراق کو تلف کرنے کا طریقہ

سوال ارسال کرنے کے طریقے

- سوالات تحریری صورت میں متعین سوالنامے پر بالمشافہہ جمع کروائیں۔
- ask@yasalunak.com پر برقی مراسلے (ای میل) کی صورت میں ارسال کریں۔
- www.yasalunak.com پر موجود سوالنامے کے ذریعے ارسال کریں۔
- 0333-9206874 پر مکمل نام کے ساتھ واٹس ایپ کریں۔

زیر اہتمام: فقہ اکیڈمی کراچی، C-335، بلاک-1، گلستان جوہر، بالمقابل جامعہ کراچی، یونیورسٹی روڈ، کراچی، پاکستان۔

پانی صاف کرنے والی مشین کے ماءِ مستعمل کا حکم

سوال: ماءِ مستعمل کے بارے میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہے۔ مفتی صاحب آج کل پانی کی صفائی اور پاکی کے لیے ایک جدید مشین آئی ہے اور اس میں ہوتا یہ ہے کہ جب ہم ہاتھ، منھ دھونے کے لیے یا وضو کرنے کے لیے ٹونٹی کھولتے ہیں تو وہ استعمال شدہ پانی، گٹر میں جانے کے بجائے ایک ڈرم میں جمع ہوجاتا ہے اور پھر اس ڈرم کے ساتھ پانی صاف کرنے والی ایک مشین لگی ہوتی ہے، جو کہ اسی استعمال شدہ پانی کو بالکل صاف، شفاف اور پاک بھی کر دیتی ہے اور اس طرح ہم پانی کے ضیاع سے بھی محفوظ ہوجاتے ہیں۔ اس مشین سے صاف شدہ پانی کو جب لیبارٹری میں ٹیسٹ کیا جاتا ہے تو وہ پانی واقعتًا بالکل صاف اور شفاف ہوتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کیا ہم ایسے پانی کو دوبارہ وضو اور غسل کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟ کیوں کہ مشین نے تو اس پانی کو دوبارہ نیا، تازہ اور زیرو میٹر کر دیا ہے اور اب تو یہ ماءِ مستعمل بھی نہیں رہا ہے۔ مزید یہ کہ عام طور پر پانی کی ٹینکی کی صفائی نہ ہونے کی وجہ سے پانی میں جو گندگی، بدبو یا جراثیم ہوتے ہیں تو یہ مشین اس گندگی، بدبو اور جراثیم وغیرہ کو بھی ختم کر دیتی ہے۔ اس معاملے میں رہنمائی فرمادیں

جواب: جس پانی کو وضو یا غسل کے لیے استعمال کیا گیا ہو، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کو نجس قرار دیتے ہیں، امام محمد رحمہ اللہ اگرچہ اس کو پاک قرار دیتے ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی اس پانی کو دوبارہ وضو و غسل کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ فلٹر کرنے سے پانی صاف تو ہوجاتا ہے لیکن پاک نہیں ہوتا۔ لہٰذا سوال میں ذکر کردہ صورت میں بھی پانی فلٹر کرنے سے صاف تو ہوجائے گا لیکن اس طرح پاک نہیں ہوگا کہ پانی اپنی اصل حالت میں لوٹ جائے اور اس سے وضو و غسل جائز ہوجائے۔ البتہ اس پانی کے ساتھ دوسرا پاک و صاف پانی (جس سے وضو و غسل نہ کیا گیا ہو) ملاکر دونوں کو ایک ساتھ جاری کر دیا جائے تو اس کا استعمال جائز ہوگا۔ بشرطیکہ استعمال شدہ پانی صرف وضو و غسل میں استعمال کیا گیا ہو اس میں پیشاب وغیرہ کسی نجاست کی آمیزش نہ ہو۔

”نظام الفتاویٰ“ میں ہے: ”پیشاب فلٹر کرنے سے پاک نہیں ہوسکتا۔ کشید کا حاصل تو صرف یہ ہے کہ پیشاب کے اندر سے اس کے متعفن اور مضرت رساں اجزاء کو نکال دیا گیا اور باقی جو اجزاء بچے، وہ اسی پیشاب کے اجزاء ہیں اور پیشاب بجمیع اجزاء نجس العین اور نجاست بنجاست غلیظہ ہے، اس لیے یہ باقی ماندہ اجزاء بھی نجس بنجاست غلیظہ ہی رہیں گے، اس میں تقلیب ماہیت کی کوئی صورت نہیں پائی گئی یہ تجزیہ و تخرجہ ہوا، نہ کہ قلب ماہیت۔“ (نظام الفتاویٰ، ۱/۱۶۹، ماخوذ از ”احکام شرعیہ میں تبدیلی حقیقت کے اثرات“ ص: ۴۱۳، ط: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ)

”آپ کے مسائل اور ان کا حل“ میں ہے: ”سوال: آج کل سائنس دانوں نے ایسا آلہ ایجاد کیا ہے کہ گندی نالیوں کے پانی کو صاف شفاف بنادیتے ہیں، اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی۔ اب کیا یہ پانی پلید ہوگا یا نہیں؟

جواب: صاف ہوجائے گا، پاک نہیں ہوگا۔ صاف اور پاک میں بڑا فرق ہے۔“ (آپ کے مسائل اور اُن کا حل، ۳/۱۰۰، ط: مکتبہ لدھیانوی)

«و الدليل على تحريم استعمال الماء الذي فيه جزء من النجاسة و إن لم يتغير طعمه أو لونه أو رائحته، قول الله تعالى: {ويحرم عليهم الخبائث}، و النجاسات من الخبائث؛ لأنها محرمة.»

(شرح مختصر الطحاوي، للإمام أبي بكر الرازي الجصاص، كتاب الطهارة، باب ماتكون به الطهارة، مسألة: أثر و قوع النجاسة في الماء القليل و الكثير، ۱/۲۳۹، ط: دار البشائر الإسلامية، بيروت)

بچوں کو مارنے کا حکم

سوال: کہتے ہیں کہ بچوں کو نہیں مارنا چاہیے۔ لیکن اگر بچوں کو مارنے کا ڈراوا نہ دیں تو وہ کہنا نہیں مانتے، اور جب ان کو مارنے کا ڈراوا دیتے ہیں تو تھوڑا بہت کہنا مان لیتے ہیں۔ تو اگر بچوں کو نہیں مارنا چاہیے تو ہم بچوں کی تربیت میں انہیں کس چیز کا ڈراوا دیں تاکہ وہ کہنا مان لیں؟ بچوں کی تربیت کے حوالے سے رہنمائی فرمائیں۔

جواب: بچوں کی تعلیم و تربیت کی خاطر کچھ شرائط کے ساتھ مارنے کی شرعاً اجازت ہے۔ شرائط یہ ہیں: ۱۔ سزا سے مقصود تنبیہ و تربیت ہو، غصہ یا انتقام کے جذبہ کی تسکین نہ ہو۔ ۲۔ ایسی سزا شرعاً ممنوع نہ ہو۔ ۳۔ غصہ کی حالت میں نہ مارا جائے، بلکہ جب غصہ اتر جائے تو مصنوعی غصہ کرتے ہوئے سزا دے۔ ۴۔ بچوں کی طبیعت اس کی متحمل ہو، یعنی بچوں کو ان کی برداشت سے زیادہ نہ مارے۔ ۵۔ ہاتھ سے مارے، لاٹھی، ڈنڈا، کوڑے وغیرہ سے نہ مارے، اگر بالغ ہو تو بقدر ضرورت لکڑی سے بھی مار سکتا ہے، بشرطیکہ

برداشت سے زیادہ نہ ہو۔۶۔ایک وقت میں تین سے زیادہ ضربیں نہ مارے،اور نہ ہی ایک جگہ پر تینوں ضربیں مارے، بلکہ متفرق جگہوں پر مارے۔۷۔سر، چہرے اور شرم گاہ پر نہ مارے۔۸۔ بچہ تادیب کے قابل ہو، اتنا چھوٹا بچہ جو تادیب کے قابل نہ ہو اس کو مارنا جائز نہیں ہے۔۹۔ایسی سزا جس سے ہڈی ٹوٹ جائے یا جلد پھٹ جائے یا جسم پر سیاہ داغ پڑ جائے، یا دل پر اس کا اثر ہو، شرعاً جائز نہیں ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے:... وَلَا تَرْفَعْ عَصَاكَ عَنْ أَهْلِكَ، وَأَخِفْهُمْ فِي اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (الأدب المفرد مخرجا (ص: ۲۰)

ترجمہ:"اپنے گھر والوں سے اپنی لاٹھی نہ اٹھاؤ، اور خدا تعالیٰ کے معاملے میں انہیں ڈراتے رہو"۔

اسی طرح دوسری حدیث شریف میں آتا ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: «مروا صبيانكم بالصلاة لسبع، واضربوهم عليها لعشر، وفرقوا بينهم في المضاجع...» (السنن الكبرى للبيهقي، ۲/ ۳۲۴)

ترجمہ:"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو اور دس سال کا ہونے پر (نماز کا عادی نہ ہونے کی صورت میں) ان کو سزا دو"۔

مارنے کی اجازت والدین کے لیے ہے، اور ہر ولی اور سرپرست کے لیے بھی ہے، تعلیم گاہوں میں اساتذہ کرام کو ولی و سرپرست کی نیابت میں اجازت ہے۔ لہذا مارنے کی مطلقاً ممانعت نہیں ہے۔ اگر بچے بغیر مار کے دینی اور اخلاقی امور میں والدین کی تابعداری کریں تو بہت اچھی بات ہے لیکن اگر کوئی بچہ نماز چھوڑتا ہو، یا وقت ضائع کرتا ہو، والدین کی بات بالکل نہ مانتا ہو تو اس کی اصلاح کی غرض سے اس کی مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر والدین مناسب سمجھیں تو (مذکورہ بالا شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے) اس وقت کھلے ہاتھ سے کمر پر صرف تین ہلکی ضربیں مار سکتے ہیں، اس سے زیادہ مارنے کی اجازت نہیں۔ تاہم بچوں کو مارنے میں بہر صورت بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے، بالخصوص آج کل کے ماحول میں مارنے سے بچے زیادہ بگڑ جاتے ہیں۔ نیز موجودہ دور میں مار پٹائی کے وقت مذکورہ بالا شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا جس کی وجہ سے اس کے منفی نتائج گھروں اور اداروں میں دیکھنے میں آتے ہیں اس لیے بچوں کو محبت سے سمجھانا چاہیے نہ ماننے پر ان کو ایسی سزا دی جائے جس میں جسمانی ورزش بھی ہو اور تادیب بھی مثلاً مرغا بنانا وغیرہ۔

والتعزير تأديب دون الحد، وأصله من العزر بمعنى الرد والردع. وهو مشروع بالكتاب، قال الله تعالى {فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا} [النساء: ٣٤] أمر بضرب الزوجات تأديبا وتهذيبا. وفي الكافي قال - عليه الصلاة والسلام - «لا ترفع عصاك عن أهلك» وروي «أنه - عليه الصلاة والسلام - عزر رجلا قال لغيره يا مخنث» . وفي المحيط: روي عنه - عليه الصلاة والسلام - قال «رحم الله امرأ علق سوطه حيث يراه أهله» وأقوى من هذه الأحاديث قوله - عليه الصلاة والسلام - «لا يجلد فوق عشر إلا في حد» وسيأتي. وقوله «واضربوهم على تركها لعشر» في الصبيان، فهذا دليل شرعية التعزير وأجمع عليه الصحابة. وبالمعنى وهو أن الزجر عن الأفعال السيئة كي لا تصير ملكات فيفحش ويستدرج إلى ما هو أقبح وأفحش فهو واجب. وذكر التمرتاشي عن السرخسي أنه ليس فيه شيء مقدر بل مفوض إلى رأي القاضي، لأن المقصود منه الزجر، وأحوال الناس مختلفة فيه. فمنهم من ينزجر بالصيحة ومنهم يحتاج إلى اللطمة وإلى الضرب، ومنهم من يحتاج إلى الحبس. (فتح القدير للكمال ابن الهمام (٥/ ٣٤٥)

أن لا يضرب الصبيان ضربا مبرحا ولا يجاوز الحد فإنه يحاسب يوم القيامة. (الفتاوى الهندية، ٥/٣٧٩)

(وإن وجب ضرب ابن عشر عليها بيد لا بخشبة) لحديث «مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع، واضربوهم عليها وهم أبناء عشر». (الدر المختار، ١/٣٥٢)

(قوله: بيد) أي ولا يجاوز الثلاث، وكذلك المعلم ليس له أن يجاوزها «قال - عليه الصلاة والسلام - لمرداس المعلم إياك أن تضرب فوق الثلاث، فإنك إذا ضربت فوق الثلاث اقتص الله منك» اهـ إسماعيل عن أحكام الصغار للأستروشني، وظاهره أنه لا يضرب بالعصا في غير الصلاة أيضا. (قوله: لا بخشبة) أي عصا، ومقتضى قوله بيد أن يراد بالخشبة ما هو الأعم منها ومن السوط أفاده ط. (رد المحتار، ١/٣٥٢) عن أبي هريرة عن النبي صلى

الله عليه وسلم قال :»إذا ضرب أحدكم فليتق الوجه«. رواه أبو داود. (المشكاة، ٢/ ٣٢٧)

نرم جائے نماز پر سجدے کا حکم

سوال: آج کل بازاروں میں جو بہت نرم جائے نماز ملتی ہیں، تو کیا ان پر سجدہ ہوجاتا ہے یا نہیں؟ ان مسائل میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب: بازاروں میں جو نرم جائے نماز ملتی ہیں اگر وہ دبانے سے دبتی نہ ہوں اور ان پر سر ٹکا کر سجدہ کیا جاسکتا ہو تو ایسی جائے نماز پر سجدہ کرنا درست ہے، سجدہ ادا ہوجائے گا۔ لیکن اگر وہ دبانے سے دبتی چلی جائیں، جم نہ سکے، سر ٹکا کر سجدہ نہ کیا جاسکتا ہو تو ان پر سجدہ کرنا درست نہیں، سجدہ ادا نہیں ہوگا۔

الأصل كما أنه يجوز السجود على الأرض يجوز على ما هو بمعنى الأرض مما تجد جبهته حجمه وتستقر عليه وتفسير وجدان الحجم أن الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه أبلغ من ذلك فيصح السجود على الطنفسة والحصيرة والحنطة والشعير والسرير والعجلة إن كانت على الأرض؛ لأنه يجد حجم الأرض (البحر الرائق، ١/٣٣٧)

ومن شروط صحة السجود كونه على ما أي يجد الساجد حجمه بحيث لوبالغ لا تتسفّل رأسه أبلغ مما كان حال الوضع فلا يصح السجود على القطن (طحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٢٣١)

(قوله وأن يجد حجم الأرض) تفسيره أن الساجد لو بالغ لا يتسفل رأسه أبلغ من ذلك... وإن كانت على الأرض لا على ظهر حيوان كبساط مشدود بين أشجار، ولا على أرز أو ذرة إلا في جوالق أو ثلج إن لم يلبده وكان يغيب فيه وجهه ولا يجد حجمه، أو حشيش إلا إن وجد حجمه، ومن هنا يعلم الجواز على الطراحة القطن، فإن وجد الحجم جاز وإلا فلا بحر (قوله والناس عنه غافلون) أي عن اشتراط وجود الحجم في السجود على نحو الكور والطراحة، كما يغفلون عن اشتراط السجود على الجبهة في كور العمامة. (رد المحتار، ١/٥٠٠)

مقدس اوراق کو تلف کرنے کا طریقہ

سوال: ہمارے گھروں میں گزشتہ اداروں یا اسکول یونیورسٹی وغیرہ کے پرانے کاغذات اور کارڈز موجود ہوتے ہیں، جواب ہمارے لئے قابل استعمال نہیں ہوتے۔ ان پر ہمارے کوائف درج ہوتے ہیں اور نام بھی ہوتا ہے جس میں بہت مرتبہ "محمد" بھی لکھا ہوتا ہے۔ معلوم یہ کرنا تھا کہ اگر ہم ان ناموں اور مقدس لفظوں پر قلم پھیر کر مٹا کر انہیں ضائع کر دیں، تو کیا یہ طریقہ درست ہے؟ اس میں کسی قسم کا خلاف ادب یا یہ گناہ کا سبب تو نہیں؟ اور اگر یہ خلاف ادب اور گناہ کا سبب ہے تو پھر اس کا صحیح طریقہ کار کیا ہونا چاہیے۔ تفصیلاً رہنمائی فرمادیں۔

جواب: ایسے اوراق جن پر اللہ رب العزت کا نام یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھا ہوا ہو تو ان اوراق کو کسی محفوظ جگہ رکھا جائے یا ان کو دفن کر دیا جائے یا ان کو سمندر میں بہا دیا جائے ان تمام صورتوں میں سے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ ان کو کسی کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔ اگر دفن کرنا ممکن نہ ہو تو ان اوراق سے مقدس اسماء کو کاٹ کر یا قلم سے مٹا کر بقیہ کاغذات کو کسی بھی کام میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

»الكتب التي لا ينتفع بها يمحى عنها اسم الله وملائكته ورسله ويحرق الباقي، ولا بأس بأن تلقى في ماء جار، كما هي أو تدفن وهو أحسن كما في الأنبياء«. (الدر المختار شرح تنوير الأبصار، ٦ / ٤٢٢)

»لكن عبارة المجتبى: والدفن أحسن كما في الأنبياء والأولياء إذا ماتوا، وكذا جميع الكتب إذا بليت وخرجت معنى الانتفاع بها اهـ يعني أن الدفن ليس فيه إخلال بالتعظيم؛ لأن أفضل الناس يدفنون.

وفي الذخيرة: المصحف إذا صار خلقاً وتعذر القراءة منه لايحرق بالنار، إليه أشار محمد، وبه نأخذ. ولايكره دفنه. وينبغي أن يلف بخرقة طاهرة ويلحد له؛ لأنه لو شق ودفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه، وفي ذلك نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقف، وإن شاء غسله بالماء أو وضعه في موضع طاهر لاتصل إليه يد محدث ولا غبار ولا قذر تعظيماً لكلام الله عز وجل«. (حاشية رد المحتار على الدر المختار، ٦ /٤٢٢)

ختم شد